مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ سے
شائع ہونے والا دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ نمبر ۲ ر فروری ۲۰۲۴ء جلد نمبر ۴۷

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۳، بخشی بازار
الٰہ آباد

حامل مضامین تصوف واحسان، افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیة العرفان

بفیض روحانی

حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب نور اللہ مرقدہٗ

جانشین حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ

جلد ۴۷

شمارہ نمبر ۲

فروری ۲۰۲۴ء

رجب المرجب ۱۴۴۵ھ

قیمت ۳۰ روپے فی رسالہ

سالانہ زرتعاون ۳۰۰ روپے، ششماہی ۱۷۵ روپے

دیگر ممالک سالانہ بدل اشتراک 20USD $

www.WasiAcademy.org

/hazratshahwasiullah

admin@wasiacademy.org

مجلس ادارت

مولانا احمد متین صاحب قاسمی

9838959090

مولانا محمد امین صاحب قاسمی

9935458410

(مدیر)

احمد مکین

ترتیب حروف: محمد الطاف

Bank Details:-

Name: Ahmad Makin

A/c No: 13630100009561

IFSC: BARB0KHULDA

Branch Name: Khuldabad

Bank of Baroda, Allahabad

نوٹ: کیوآرکوڈ کو اسکین کرکے بھی ادائیگی کرسکتے ہیں۔

ترسیل زر کا پتہ

۲۳ر۲۵ بخشی بازار، الہ آباد

Pin Code-211003

0532- 4065394

پرنٹر پبلشر مولوی احمد متین، سٹی آفسیٹ پریس، بخشی بازار، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمارہ　فہرست مضامین　صفحہ

۱　مجلس ۳

(مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ)

۲　بلاغ مبین ۲۳

(عارف باللہ حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب نور اللہ مرقدہ)

۳　المورد الفرسخی فی المولد البرزخی (۷).. .... ۲۸

جنید وقت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۴　تزکیہ کیا چیز ہے؟ ۳۴

(حضرت مولانا جسٹس محمد مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی)

۵　عالمی خبریں ۴۸

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجلس

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

قرآن سے دوری کے خسارے

میں نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا کہ جہانگیر کے یہاں ایک زنجیر لگی رہتی تھی جب کوئی فریادی آتا تھا تو اس کو کھینچ لیتا تھا بس بادشاہ کو اطلاع ہو جاتی اور وہ آکر اس کی فریاد سن لیتا تھا میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سے بادشاہوں کے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی زنجیر اپنے سائلوں اور فریادیوں کے لئے لٹکا رکھی ہے ۔ جو اس کو مضبوط پکڑ لیتا ہے یعنی دل سے تلاوت شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرب اس کو نصیب ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا اس سے زیادہ آسان اور سہل ترین کوئی ذریعہ نہیں آج دل سے تلاوت شروع کرو آج ایمان پیدا ہو جائے مگر آج لوگوں کو اس پارس کی پتھری کی طرف توجہ نہیں حتیٰ کہ علماء نے بھی قرآن کی طرف توجہ دلانا چھوڑ دیا بلکہ خود بھی اور چیزوں کی طرف تو متوجہ ہیں مگر قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے ۔

لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ بڑے بڑے جلسے کر رہے ہیں دُور دُور سے علماء کرام کو بلا کر جمع کرتے ہیں اور خوب خوب تقریریں کراتے ہیں مگر دیکھتا ہوں کہ عوام الناس ذرا سا متاثر نہیں ہوتے جہاں تھے وہیں رہتے ہیں سارا اثر بس واہ واہ

میں نکل جاتا ہے۔میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ بھائی کاہے کو اتنی محنت کر رہے ہو اور کیوں اس قدر پریشان ہو رہے ہو کئی کئی گھنٹے چیختے چیختے تمہاری تو حلق خشک ہو جاتی ہے اور سر میں درد ہونے لگتا ہو گا مگر یہ عوام الناس سوائے واہ واہ کرنے کے کچھ سنیں سنائیں گے نہیں۔بلکہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ آج یہ سامعین بیان کرنے کے لئے خود ہی مضمون کا تعین کر کے علماء کو دیتے ہیں اور علماء بھی اسی کے پابند ہو کر بیان کرتے ہیں۔کیا بوالعجبی ہے کہ متعلم خود استاد کو پابند بناتا ہے۔میں دیکھ رہا ہوں کہ علماء عوام الناس سے مغلوب ہو گئے ہیں اور وہ ان پر غالب ہو گئے ہیں۔مسلمانوں نے جب سے قرآن کو چھوڑا اللہ کی رحمت نے انکو چھوڑ دیا۔ہر طرف سے پریشانیوں نے، تباہیوں نے گھیر لیا ہے مگر واہ رے مسلمان ایسا غافل ہو کر سویا ہے کہ جس کو ملک الموت کی آواز ہی اب جگا سکے گی۔

نافرمانی کے نتائج

میں پوچھتا ہوں کہ تم پر مصیبت اور یہ ذلت جو چھائی ہوئی ہے تو کیا یہ تمہاری فرمانبرداری کی وجہ سے ہے؟ یا کچھ اور بات ہے؟ پھر کیوں نہیں فرمانبردار ہو جاتے۔خدا کا کلام موجود ہے کیوں نہیں توجہ کرتے جاتے مسلمانوں کی ذلت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ان کے مساجد کی ان کے کتاب کی ان کے اکابر کی بے حرمتی کی جارہی ہے مگر ان کو غیرت نہیں آتی اور افسوس تو یہ ہے کہ یہ رہبرانِ قوم یہ حضرات علماء کرام بھی قوم کو کچھ کہتے سنتے نہیں۔کیا یہ بھی قوم کی اس غفلت پر راضی ہو گئے ہیں۔کیا انھوں نے بھی عوام سے صلح کر لی ہے؟ اگر نہیں تو انکی شفقت کیا ہوئی۔اپنی قوم کو تباہ ہوتے دیکھ رہے ہیں پھر کیوں تباہی کی باتوں پر نہیں ٹوکتے اور قوم کو کیوں نہیں کچھ کہتے سنتے!

اخلاص شرط ہے

ایک بزرگ کی سوانح میں میں نے دیکھا کہ وہ اپنے مریدوں پر بہت شفقت کرتے تھے اور ان سے بہت محبت فرماتے تھے مگر جب مریدین کی کسی اور شخص سے ناچاقی ہو جاتی تھی تو اپنے مریدین ہی کو ڈانٹتے اور کہتے سنتے تھے اور انہیں پر سختی کرتے تھے واقعی یہی اصل شفقت ہے میں کہتا ہوں کہ آخر آج کل کے علماء اپنی قوم پر شفقت کیوں نہیں کرتے ان کی کجرویوں پر انکو کیوں نہیں ڈانٹتے؟ انکی فلاح کی باتیں ان سے کیوں نہیں بتاتے؟ حق کہنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ اگر یہ علماء اخلاص کے ساتھ قوم کو ڈانٹنے لگیں اور خفا بھی ہوں تو ممکن نہیں کہ عوام الناس نہ سمجھیں کہ یہ کس کے فائدے کے لئے خفا ہو رہے ہیں۔ مگر پہلے کوئی دردمند دل والا اخلاص کے ساتھ نصیحت کرنے والا بھی تو ہو آجکل علم کا بہت زور اور چرچا ہے جگہ جگہ مدارس قائم ہیں بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ حقیقی علم اٹھتا جاتا ہے۔ اب علم دین کا بھی پڑھنا پڑھانا صرف روٹیوں کے لئے اور دنیا کے لئے رہ گیا ہے۔ دینی علم کو خدا کے لئے پڑھنے پڑھانے والے کتنے ہیں؟

محبت کا معیار اتباع ہے

اب میں آپ حضرات کے سامنے ایک آیت کی تلاوت کرتا ہوں پھر اس کی مختصر تفسیر ابن کثیر سے سنا کر پھر اس آیت کے متعلق کچھ کلام کروں گا۔ سنئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ-فَاِنْ تَوَلَّوْا

فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ٥

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے اور تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ اللہ و رسول کی اتباع کرو اگر تم اس سے اعراض کرو گے تو سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کیا کرتا۔

بہت مشہور آیت ہے آپ حضرات نے بھی بارہا پڑھا ہوگا اور بارہا سنا ہوگا۔ اب دیکھئے کہ مفسر ابن کثیر اس کے تحت کیا فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

هذه الآية الكريمة حاكمة على كل من ادعى محبة الله وليس هؤ على الطريقة المحمدية فانه كاذب في نفس الامر حتى يتبع الشرع المحمدي والدين النبوى في جميع اقواله وافعاله كما ثبت في الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو ردولهذا قال (اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) اى يحصل لكم فوق ماطلبتم من محبتكم اياه وهو محبة اياكم وهو اعظم من الاول كما قال بعض العلماء الحكماء ليس الشأن ان تحب انما الشان ان تحب وقال الحسن البصري وغيره من السلف زعم قوم انهم يحبون الله فابتلاهم الله بهذه الآية۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس آیت کریمہ میں بیان ہے اس کا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو کرے اور طریقۂ محمدیہؐ پر نہ ہو تو وہ فی الواقع جھوٹا شخص ہے۔ جب تک کہ شرع محمدی اور دین نبوی کا آپ کے جملہ اقوال و افعال میں اتباع نہ کرے جیسا کہ صحیح حدیث

میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسا کوئی کام کرے جو ہمارے دین میں نہ ہوتو وہ مردود ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہوتو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت فرمانے لگیں گے مطلب یہ کہ تم کو تمھاری طلب اور خواہش سے زیادہ چیز عطا فرمادیں گے، تمھاری چیز تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا تھی اس کے عوض میں خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ ثانی شئے اول سے بہر حال اعلیٰ اور اعظم ہے جیسا کہ بعض علماء سے جو حکماء بھی تھے منقول ہے کہ یہ چنداں کمال نہیں کہ تم کسی سے محبت کرنے لگو یعنی مُحِبّ بن جاؤ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ تم سے محبت کی جائے یعنی تم محبوب ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ نیز اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان کی خاطر یہ آیت نازل فرمائی) یعنی ان کے سامنے محبت کا ایک معیار رکھ دیا تا کہ وہ خود کو اس پر پرکھیں اور معلوم کریں کہ اپنے اس دعوے میں کہاں تک وہ پورے اترتے ہیں اور وہ امتحان یہی ہے کہ محبت کا معیار تو اتباعِ رسول ہے۔ پھر اتباع رسول سے انحراف کے ساتھ محبت کا اعتراف سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ محب تو محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔ نہ کہ اس کی مخالفت

حضرت مصلح الامتؒ کی مزید وضاحت

علماء بہت اچھا کہہ رہے ہیں۔ میں اسی کو ذرا کچھ اور واضح کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہوتو میرا اتباع کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور باتوں میں تو تم کو میرا اتباع کرنا ضروری

ہے اور محبت میں اتباع ضروری نہیں بلکہ محب محبت کرنے میں آزاد ہو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ اس آیت میں تو محبت ہی کا ذکر ہے لہٰذا فاتبعونی کا تعلق محبت سے بدرجۂ اولیٰ ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے میں بھی میرا اتباع کرو من مانے طریقہ سے محبت نہ کرو۔ بلکہ محبت وہی معتبر عنداللہ ہوگی جو میرے اتباع کے تحت ہو۔

حضرت مصلح الامتؒ ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں

اب یہاں پر ایک نکتہ بیان کرتا ہوں اگر سمجھئے گا تو جھوم جائیے گا اور دل پکار اٹھے گا کہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے وہ نکتہ یہ ہے کہ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت بندوں کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں (جس کو صوفیہ برزخ سے تعبیر کرتے ہیں) اس لئے آیت کی ترتیب میں یعنی لفظوں میں بھی اسکی رعایت فرمائی۔ اور اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے درمیان میں فَاتَّبِعُوْنِیْ کا ذکر فرمایا کیونکہ واسطہ درمیان میں ہی ہوتا ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ میں تو بندوں کی محبت کا ذکر اور یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ میں خدا کی محبت کا ذکر اور درمیان میں حضور کا اتباع، گویا اس طرف بندوں کی محبت ہے اور اُس طرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور بیچ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات واسطہ ہے کہ اِدھر کی محبت لیکر اُدھر اور اُدھر کی محبت لیکر اِدھر پہنچاتی ہے۔ اب جو لوگوں کی محبت پھیکی پھیکی رہ گئی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ محبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو واسطہ نہیں بنایا۔ بطور خود محبت کرنا چاہی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ محبت معتبر ہی نہیں جو بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے ہو۔

فَاتَّبِعُوۡنِیۡ امر کا صیغہ ہے یعنی حضور کا اتباع واجب اور فرض ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھا ہوا یہ شعر بڑے حال سے پڑھ رہا تھا ۔

محمدؐ پہ دل کو فدا کر چکے ہیں 	جو فرضِ خدا تھا ادا کر چکے ہیں

میں نے سنا تو مجھے بہت پسند آیا وہ شخص دل سے پڑھ رہا تھا۔ اگر اس طرح سے کوئی دل سے پڑھا کرے تو کیا ہی عمدہ بات ہے۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ محبت میں بھی حضور کا اتباع ضروری ہے بغیر حضور کے واسطہ کے اور بغیر آپ کا تباع کئے ہوئے محبت حاصل ہو ہی نہیں سکتی بس وہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ محبت نہیں ہے۔

حضرت علیؓ حضور کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ آپ کی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں اتنا روتا کہ میری آنکھ سے چربی تک بہہ جاتی! مگر آپ ہی نے صبر کا سبق سکھایا ہے اس لئے صبر کرتا ہوں۔ دیکھا آپ نے محبت کا تو یہی تقاضا تھا کہ حضور کی جدائی میں روتے روتے جان دیدیتے مگر پھر بھی صبر کرنا یہ فاتبعونی کا ثمرہ تھا کیونکہ حضور ہی نے حکم دیا ہے صبر کا اور حضور کا اتباع ضروری ہے! حتیٰ کہ محبت میں بھی۔!

محبت محبوب کی مرضی کے مطابق معتبر ہے

من مانی محبت کوئی محبت نہیں۔ جب محبوب کی محبت ہے تو محبت محبوب کی مرضی کے مطابق ہوگی نہ کہ اپنی مرضی کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ خود ہی ارشاد فرمارہے ہیں کہ محبت کا دارومدار اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوگیا کہ جو محبت بغیر اتباع کے ہو وہ معتبر ہی نہیں اور جو محبت فاتبعونی کے تحت ہو اس پر سرکاری

مہر لگی ہوئی ہے۔محبت میں محبین سے بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں اس لیے محبت کی تعدیل کے لئے اتباع رسول کا امر فرما دیا تا کہ محب افراط وتفریط سے محفوظ رہ سکے، تا کہ اس کا قول بھی خلاف نہ ہو فعل بھی خلاف نہ ہو، حال بھی خلاف نہ ہو بلکہ ہر چیز اتباع کے تحت ہو جس محبت میں جتنا زیادہ اتباع ہوگا اتنی ہی وہ محبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہو گی اسی کو فرمایا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کے لئے میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ جہاں کہیں قل ارشاد فرماتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارا ارشاد نقل کر دیجئے چنانچہ یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ ہماری طرف سے یہ مضمون سب کو پہنچا دیجئے کہ جو لوگ محبت کے مدعی ہیں وہ سن لیں کہ محبت کا دارومدار اتباع نبیؐ پر ہے۔اب اس کے بعد دوسرا ''قل'' سنئے ارشاد فرماتے ہیں!

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ-فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔

آپ فرما دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم اس سے اعراض اور روگردانی کرو گے تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتے۔

یہ آیت پہلی آیت ہی کے ساتھ مربوط ہے اطاعت کے معنی ہی کہنا ماننا یعنی کہہ دیجئے کہ کہنا مانو اللہ کا اور کہنا مانو رسول کا اور اگر یہ لوگ کہنا ماننے سے منہ موڑیں تو یہ کافر لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ ان سے بغض رکھتا ہے۔

کمال اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے

ان دونوں ''قل'' کا مضمون کس قدر مربوط ہے فرمایا کہ اللہ کے ارشاد کی

اطاعت کرو اور ظاہر ہے کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے جو حضور کے واسطہ سے سنایا جارہا ہے۔ لہٰذا اس ارشاد میں بھی اطاعت ضروری ٹھہری لہٰذا اتباع کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور نبی کا اتباع شروع کردو۔ اتباع بہت ضروری امر ہے، کوئی کام بھی بغیر اتباع کئے بن نہیں سکتا دین تو دین ہی ہے دنیا میں بھی تحصیل کمال کے لئے اتباع لازم ہے کوئی بھی صنعت بغیر استاد کے اتباع کے حاصل نہیں ہوتی۔ کوئی بھی طالب علم از خود صاحب علم نہیں ہوجاتا جب تک کہ استاد کا اتباع نہ کرے۔

علامہ ابن حجرؒ سے کسی نے پوچھا کہ کوئی شخص اپنے کثرت مطالعہ پر اعتماد کر کے اور کتابیں دیکھ کر فتویٰ دے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز جائز نہیں جب تک کسی استاد مفتی کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی نہ سیکھی ہو! کیونکہ جس شخص نے استاد سے نہیں سیکھا ایسا آدمی خود جو کہتا ہے اس کو بھی نہیں جانتا! (چہ جائیکہ کوئی دوسری بات؟) اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنی کہی ہوئی بات کو خود ہی نہ سمجھے!

ایک آدمی ہمارے ساتھ حضرت مولاناؒ کے پاس گئے ہماری ہی وجہ سے حضرت کی خدمت میں انکی رسائی ہوئی مگر پھر مجھ ہی سے مستغنی ہوگئے خیر میں تو وہاں رہ گیا وہ چلے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولاناؒ کے پاس انہیں صاحب نے خط لکھا کہ میں فلاں وقت فلاں جگہ آپ سے مرید ہوا تھا۔ اور اسی خط میں اپنے کچھ باطنی امراض بھی لکھے کہ مجھ میں فلاں فلاں مرض ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے جواب میں تحریر فرمایا ''بڑی جلدی خبر لی'' حضرت مولانا کا منشاء یہ تھا کہ مجھ سے تعلق کو اتنا زیادہ

عرصہ ہو چکا ہے اب جا کر اپنے حال کی طرف توجہ کی ہے لیکن وہ صاحب حضرت کے اس جواب سے یہ سمجھے کہ میں نے خط دیر میں لکھا ہے اس پر حضرت فرمارہے ہیں ''کہ بڑی جلدی خبر لی'' چنانچہ دوسرے خط میں ان صاحب نے حضرت کو خط لکھا کہ اب بہت جلدی جلدی خط لکھا کروں گا تو حضرت مولانا کی طبیعت اس بارے میں بڑی غیور اور مستغنی تھی کسی سے اپنی طرف سے یہ ظاہر نہ فرماتے تھے کہ جلدی جلدی خط لکھا کرو یا آیا کرو چنانچہ جب انھوں نے یہ لکھا کہ جلدی جلدی خط لکھا کرونگا تو حضرت مولانا نے ان کو لکھا کہ اپنا پہلا خط بھیجو (تا کہ میں دیکھوں کہ میں نے کہاں جلدی جلدی خط لکھنے کو کہا ہے) جب انھوں نے اپنا پہلا خط بھی بھیج دیا تو حضرت مولانا نے ان کو لکھ دیا کہ اپنے خطوط کسی سمجھدار آدمی کو دکھلا کر مطلب سمجھو۔ حضرت کا ارشاد میری طرف تھا۔ چنانچہ وہ صاحب آخر کو میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ اب تک تمہاری جو کچھ خط و کتابت حضرت سے ہوئی ہو سب میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ لائے اور میں نے سب کو دیکھ کر ان کو سمجھایا کہ تم نے حضرت مولانا کو جو اتنے عرصہ کے بعد اپنے امراض کی اطلاع دی اس پر حضرت مولانا نے یہ تحریر فرمایا کہ بڑی جلدی خبر لی یعنی اتنے دنوں کے بعد اس کی طرف توجہ کی؟ تو دیکھئے ان صاحب نے خود ہی ایک بات لکھی تھی اور اس پر حضرت نے جواب دیا مگر یہ خود ہی نہ سمجھ سکے کہ میں نے کیا لکھا تھا اور یہ اسی کا جواب ہے۔ اسی کو علامہ ابن حجرؒ فرمارہے ہیں کہ جو شخص ابتداً کسی استاد کا اتباع نہ کئے ہوگا وہ خود اپنی ہی کہی ہوئی بات کو نہیں سمجھ سکے گا غرضیکہ معلوم ہوا کہ اتباع نہایت ضروری امر ہے اور قدم قدم پر اس کی ضرورت ہے۔

کشودِ کار بغیر اتباع کے ناممکن ہے

اب سنئے کہ اس فَاتَّبِعُوْنِیْ نے کبر کی بھی جڑ کاٹ دی کیونکہ کبر تو سراسر گردن فرازی اور من مانی کرنے کا نام ہے لہذا جب اتباع سکھا دیا تو کبر کہاں رہا۔ غرضیکہ اس آیت نے تو ہر ترقی کا دارو مدار اتباع ہی پر کر دیا ہے۔ اب جو عوام الناس پر راستہ نہیں کھلتا اس کی وجہ یہی ہے کہ اتباع نہیں کرتے من مانی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ صریح نص اتباع کو بتلا رہی ہے۔

ایک آدمی مجھ سے مرید ہے یہاں آتا ہے تو بس ایک دو دن رہ کر چلا جاتا ہے ایک بار مجھ کو گھر سے خط لکھا کہ میں فلاں مجلس میں چالیس دن کے لئے جانا چاہتا ہوں تم اگر اجازت دو تو چلا جاؤں اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون سا مذہب ہے کہ ادھر تو میری اجازت چاہتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو اس قابل سمجھتا ہے کہ مجھ سے اجازت لیکر کام کرے۔ گویا مجھ سے اعتقاد رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف یہ کہ اگر اعتقاد ہے تو مجھے چھوڑ کر دوسری جگہ کیوں جاتا ہے پھر یہ کہ میرے پاس رہنے کے لئے تو ایک دو دن ہی کی فرصت بھی مشکل سے ملتی ہے اور دوسری جگہوں کے لئے چالیس روز نکال لینا بھی آسان ہے اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان اضداد کے جمع کرنے والوں کے متعلق میں کیا رائے قائم کروں ایک طرف تو اجازت چاہ کر اعتقاد ظاہر کرتا ہے دوسری طرف مجھ سے مستغنی بھی ہے میرا مطلب یہ نہیں کہ دوسری جگہ نہ جاؤ بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے میں نہ تو تمہارے گھر جا کر تم کو دیکھ ہی لوں گا نہ غائبانہ تمہارا تجسس کروں گا تم جو بہتر سمجھو کرو مگر مجھ سے پوچھتے کیوں ہو؟ بس کچھ نہیں! بات یہ ہے کہ یہ مذبذبین

لوگ ہیں تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں۔ دل میں کچھ اور ہے اور خواہ مخواہ اجازت چاہنے کا خط لکھ کر مجھ کو بھی راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ آجکل کے پیر لوگ اسی کو غنیمت سمجھیں گے کہ آدمی نے مجھ سے اجازت تو مانگی مجھ کو کچھ سمجھا بس یہی سوچ کر خوش ہونگے کہ اس زمانہ میں سچے مرید تو ملتے نہیں چلو بھاگے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ یہ ہوشیار لوگ ہیں من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو کسی کا اتباع کر لینا لوہے کے چنے ہیں۔ یہ لوگ بصیرت پر نہیں ہیں۔ ان پر راستہ نہیں کھلا ہے۔ کیونکہ کسی کا اتباع کئے راستہ نہیں کھلتا اور انھوں نے ابھی تک اتباع شروع نہیں کیا ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ دوسری آیت قل أطیعوا اللہ میں فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ جو کچھ ارشاد فرمائیں اسکی اطاعت کرو۔ اور انہیں کے ارشادات میں سے ایک آیت اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ بھی ہے لہذا اس ارشاد کو بھی مانو اسکو صحیح سمجھو اس پر عمل کرو یہ ارشاد خداوندی ہے اسکی اطاعت واجب ہے اور اسی ارشاد میں فَاتَّبِعُوۡنِیۡ بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم فرمایا ہے لہذا اتباع بھی واجب ہوا جب آپ کا اتباع واجب قرار دیدیا گیا تو رسالت کا بھی ثبوت ہوگیا کیونکہ واجب الاتباع رسول کی ذات ہوتی ہے اسی کو تصریح کے ساتھ دوسری آیت میں فرما رہے ہیں قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ یعنی تم پر رسول کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح واجب ہے یہ دونوں قل والی آیتیں کس درجہ مربوط ہیں دونوں مل کر ایک مضمون ہوتا ہے۔

خود کو محبوب کی مرضی کا تابع بناؤ

یہ جو میں بیان کر رہا ہوں ابھی یہ تو لفظی تحقیق ہے۔اس کے بعد دیکھا جائیگا کہ ان کنتم تحبون اللہ میں کیا مضمون بیان ہوا ہے؟ اور فَاتَّبِعُوْنِیْ کی کیا حقیقت ہے؟ تو سمجھئے کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ میں اللہ تعالیٰ نے پوری شریعت کی حقیقت کو بیان کر دیا ہے کیونکہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کو ضروری ہے کہ خدا کی مرضیات معلوم کرے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی مرضی کے موافق کام کیا جائے۔ کیونکہ محبت میں محبوب کی رضا ہی مطلوب ہوتی ہے اگر محب کے پیش نظر محبوب کی رضا نہ ہو تو جھوٹا محب ہے اور اس کو محبت کا دعوی ہی دعویٰ ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی سے محبت رکھنے کا مقتضاء اس کی مرضیات کے موافق عمل کرنا ہے، تو اب ضروری ہوا کہ اس کی مرضیات کا علم حاصل ہو اور مرضیات الٰہی کا علم بندوں کو بلا واسطہ ناممکن ہے لہذا کسی واسطہ کی ضرورت ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی صورت کو رفع کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ اُن حضرات کے واسطہ سے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات معلوم ہوسکیں اور اس کے مطابق عمل کر کے اپنی محبت کو سچا کر دکھائیں لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کا دعویٰ کرے اس کو انبیاء کا اتباع لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار اتباع نبیؐ ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ بندوں سے محبت رکھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ محبت کا تو اثبات فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا ان کنتم تحبون اللہ لیکن ساتھ ہی یہ بیان

فرما دیا کہ آخر محبت کا کوئی معیار تو ہونا چاہے؟ اور ظاہر ہے کہ جب خدا کی محبت ہے تو اس کا معیار بھی خدا ہی کی طرف سے مقرر ہونا چاہیئے ورنہ یہ کیا کہ محبت تو ان کی اور معیار تمہارا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فَاتَّبِعُوْنِیْ فرما کر محبت کا معیار بیان فرما دیا یعنی محبت کا معیار اتباع نبی ہے۔ اب دیکھ لو کہ جس محبت کا تم دعویٰ کر رہے ہو وہ اگر اس معیار پر پوری اترتی ہے تو واقعی محبت ہے اور اگر اس معیار پر نہیں اترتی تو محبت نہیں ہے صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کا اعتبار نہیں۔

پھر یہ کہ ان کنتم تحبون اللہ شرط ہے اور فَاتَّبِعُوْنِیْ اس کی جزا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب شرط پائی جائے گی تو جزا بھی ضرور پائی جاویگی پس اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی تو اتباع نبی بھی ضرور ہوگا اور جب اتباع نبی نہ ہوگا تو یہی دلیل ہوگی خدا کی محبت نہ ہونے کی اگر چہ صرف منہ سے محبت محبت کہتا رہے یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا جس کا اعتبار نہیں محبت کے لئے اتباع ضروری ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ　　　هذا لعمري في الفعال بديع

لو كان حبك صادقا لاطعته　　　ان المحب لمن يحب مطيع

ترجمہ۔ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور ان سے محبت کا بھی دعوی کرتے ہو۔ خدا کی قسم یہ تو عجیب وغریب بات ہے جو دیکھنے میں آرہی ہے۔ میاں اگر تم اپنی محبت میں سچے ہوتے تو اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محب محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے یہ بدون اطاعت کے محبت کیسی؟۔ یہ فریب محبت ہے، محبت نہیں ہے۔

دیکھئے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ صرف محبت بھی کوئی چیز نہیں

اور صرف اتباع بھی کچھ نہیں بلکہ دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ایک آدمی ایک شخص سے محبت رکھتا ہے اور اس کا اتباع نہیں کرتا تو اس نے بھی صرف نصف راستہ ہی قطع کیا ہے جیسے ایک آدمی سے کسی نے پوچھا کہ کس فکر میں ہو؟ اس نے کہا کہ شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہوں! اس نے پوچھا کہ اس سلسلہ میں کچھ کام بھی ہوگیا ہے کہ نہیں اس نے کہا کہ ہاں آدھا کام تو ہوگیا ہے آدھا باقی ہے یعنی میں تو راضی ہوں وہ راضی نہیں ہے یہ میں نے نصف کام ہونے کی مثال دی ہے اسی طرح بہت سے لوگ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اپنے کو کامل سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ ابھی راستہ سے بہت دور ہیں۔

یوں تو محبت لوگوں کو بہت پسند ہے ابھی کوئی شعر پڑھئے تو لوگ تڑ تڑ تڑ تڑ کرنے لگیں مگر جو اصلی چیز اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے یعنی فَاتَّبِعُوْنِيْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ اس کی طرف نہیں آتے۔ ٹھنڈی آہیں بھرنا، جھومنا، گردن جھٹکارنا یہ سب بہت پسند ہے مگر اتباع پسند نہیں ہے۔ یہ جاہل فقیر شریعت کی توہین بھی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کا استہزاء بھی کر رہے ہیں مولویوں سے لڑ بھی رہے ہیں اور ساتھ ہی اللہ و رسول کی محبت کے دعوے بھی بڑے لمبے چوڑے ہیں بہت سے لوگوں نے از خود راستہ طے کرنا چاہا ہے مگر خدا تک بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے اور بغیر آپ کا اتباع کئے پہنچنا ناممکن ہے اب اسی وجہ سے لوگ خدا تک نہیں پہنچتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر پہنچنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بغیر حضور کے واسطہ کے قبول نہیں فرماتے۔

اتباعِ نفس کے ساتھ تقاضائے محبت ادا نہیں ہوسکتا ہے

بات یہ ہے کہ محبت کا دعوی تو بہت آسان چیز ہے اور اتباع میں سراسر نفس کو کچلنا اور پامال کرنا ہے۔ اتباع کرنے سے نفس جس قدر ٹوٹتا ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں ٹوٹتا اور نفس کو تو کچلنا بہت مشکل ہے اب لوگ مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حج کرنے چلے جاتے ہیں مگر ان سے کہا جائے کہ نفس کو ذرا مسجد سے اور حرم شریف سے باہر ہی چھوڑ کر آؤ تو یہ کام بہت مشکل ہے مسجد میں جائینگے تو نفس کو ساتھ لے کر۔ حج کو جائیں گے تو بھی نفس کو ساتھ ہی لیکر جائینگے اسی پہ پڑھا کرتا ہوں کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

محبت کس کو پسند نہیں مگر اس کے معیار پر پورا اترنا اور کسی کا اتباع کر لینا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں نفس کو توڑنا پڑتا ہے اور یہ لوہے کے چنے چبانے ہیں۔ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

مگر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اپنے نفس کو باقی رکھتے ہوئے محبت کا دعویٰ کرنا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے محبت کا مقتضاء تو یہ ہے کہ محبوب کے سامنے محب اپنے کو فنا کر دے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں۔

"محبت میں یہی اصل ہے کہ محبوب کے سامنے محو ہو جائے اور سب خواہشوں کو گم کر دے ورنہ محبت ناقص ہے۔ کیونکہ اس صورت میں محبوب وہ خواہشیں ہیں نہ وہ یار دل نواز" (مکتوبات یعقوبی ۱۴)

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہم کو عطا فرمائے اور اپنی اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہمارے لئے

آسان فرمادے اور نفس کی چالوں اور اس کی شرارتوں سے ہماری کامل حفاظت فرمائے۔آمین۔

آخرت کی سعادت کے ساتھ دنیا کی فلاح،قوم کی بقااور ترقی اسی اخلاق پر منحصر ہے

فرمایا کہ میں اس وقت آپ حضرات سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں ممکن ہے کہ اس کے نہ جاننے کی وجہ سے کسی کو غلط فہمی ہوتی ہو وہ یہ کہ میں اس زمانہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز جو مسلمانوں کے لئے سمجھتا ہوں وہ اخلاق ہے اور یہ سمجھتا ہوں کہ جب قوم سے اخلاق ہی ختم ہو جائے تو گویا قوم ہی معدوم ہوگئی اس لئے اپنے لوگوں سے برابر اخلاق ہی کے درست کرنے کا مطالبہ کرتا رہتا ہوں اس طرح پر کہ گویا میں نے اپنے کام کا مدار اور بنائے کار ہی اخلاق کی اصلاح پر رکھ دیا ہے اب اس کے بعد جب لوگوں کو کسی بد اخلاقی کا شکار دیکھتا ہوں خواہ وہ شخصی اور خصوصی ہو یا عمومی طور پر ہو یعنی ایسی کہ اس کا مظاہرہ علی رؤس الاشہاد یعنی برسر بازار کھلم کھلا اور ڈنکے کی چوٹ پر کیا گیا ہو تو اس کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے اسلئے کہ اس نوع کی بد اخلاقی کی برائی تو ہر سمجھدار اور ذی حس بھی محسوس کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ امر مجھے کیوں نہ ناگوار ہوگا۔

امور شرعیہ اور شعائر کی توہین اور تضحیک سخت مہلک ہے

ایک بات یہاں اور عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ ایک مسئلۂ شرعیہ ہے کہ کسی مسلمان سے عموماً اور کسی عالم دین سے خصوصاً کوئی ذاتی معاملہ یا ذاتی خصومت روا

ہے مگر اس طرح سے کہ اس کی وجہ سے کسی دینی یا شرعی چیز کی توہین یا تذلیل ہو، سخت خطرناک اور مہلک چیز ہے اس صورت میں اب مدعی اور خصم وہ شخص نہیں رہ جاتا بلکہ سرکار عالی اور صاحب شرع مدعی ہو جاتے ہیں اس وقت ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے مثلاً ایمان کسی طرح ان امور کی اجازت نہیں دیتا کہ یوں کہا جائے کہ داڑھی والا ہار گیا یہ بات تو بہت دور پہنچ گئی کیونکہ اس جملہ کا صاف مطلب یہ ہوا کہ داڑھی والا بھی ہار گیا اور داڑھی بھی ہار گئی انا للہ وانا الیہ راجعون مسلمانوں کے منھ سے اس قسم کے کلمات کا نکلنا انتہائی تعجب اور افسوس کی بات ہے اس پر جس قدر بھی اظہار ناراضگی کی جائے کم ہے اب جتنے لوگ اس میں شریک ہیں یا اس پر راضی ہیں سب حد درجہ مجرم ہیں یہ حدود سے انتہائی تجاوز ہے جو لوگ اسلام اور اس کے حدود کے قائل ہیں ان کو اس سے سبق لینا چاہئے اور ایمان کی حفاظت لازم ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ آج مسلمانوں پر جو ادبار ہے اور انکی جس قدر بھی ذلت وخواری ہے وہ سب انکی اسی قسم کی حرکات کا نتیجہ ہے۔ غرضیکہ مسلمانوں کے اس قسم کے حالات سے سخت تکلیف پہنچی اور تکلیف کا سبب یہ ہوا کہ میں اس کو اپنے طریق اور طرز کے بالکل ضِد اور خلاف سمجھتا ہوں کیونکہ میں مسلمانوں کو متفق اور متحد دیکھنا چاہتا ہوں اور اپنی تمام تر کوشش اس میں صرف کرتا رہتا ہوں اور بداخلاقی سے قوم کا شیرازہ ہی منتشر ہو جاتا ہے اس لئے ہر زمانہ میں مصلحین امت نے اس کو ناپسند کیا ہے دین و مذہب قرآن وسنت اس کی شناعت کے بیان سے پُر ہے۔

اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ آخرت کی سعادت تو اخلاق سے وابستہ ہے ہی دور حاضر میں تو دنیا کی فلاح بلکہ قوم کی بقاء اور حیات بھی اسی اخلاق ہی پر منحصر ہے اگر

اخلاق درست نہ ہو تو قوم کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔

عالم اور شیخ کو اپنا تابع بنانا ایک مذموم داعیہ ہے

ایک بات تو یہ کہنا چاہتا تھا اسی طرح سے ایک دوسری بات آپ حضرات سے یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے کسی جدید چیز سے کوئی سروکار نہیں ہے نہ کبھی سروکار رہا اور نہ اب اس میں پڑنا چاہتا ہوں سروکار ہے تو صرف لوگوں کی اصلاح سے اور تعلیم اخلاق سے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اس کو بھی نہایت ہی مذموم جانتا ہوں کہ کوئی دنیوی ہی معاملہ سہی اس میں جاہل یا مرید کسی عالم یا پیر کو اپنی رائے کا تابع کرنا چاہے اس کو قلب موضوع سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ ایسے مواقع کے لئے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ پیر یا عالم اپنے سب مریدین کی رائے پر چلے اگر چہ ان میں لوگ مختلف الخیال ہوں مگر اس جرم میں کہ وہ دونوں کا پیر ہے ہر ایک مرید کو یہ حق ہے کہ پیر کو استعمال کرے اور پیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب کا تابع ہو جائے چاہے اس میں اس کی رائے اس کی آبرو اس کا استقلال بلکہ اس کا وجود ہی کیوں نہ ختم ہو جائے ایک صورت تو یہ ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عالم سب سے علاحدہ رہے لیکن اس حالت میں پھر لوگوں میں سے کسی فریق کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو اپنے حصول مقصد میں استعمال کرے اور اپنا آلۂ کار بنائے

میرا نام اپنے کسی مقصد کے حصول میں استعمال نہ کریں

ایک بات اور کہتا ہوں کہ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب لوگ کسی شخص کو مانتے ہیں اور اپنا بڑا اور مقتدا سمجھتے ہیں اس کو عالم اور ناصح بھی جانتے ہیں تو آخر اس کی بھی تو کوئی رائے ہوگی اور کچھ عقل۔ کچھ دین کچھ علم تو اس کو بھی ضرور ہی ہو گا لہذا

اُسی سے دریافت کرلیں کہ اس موقع پر ہم کیا کریں اور پھر وہ جو کہے سب لوگ اس کا اتباع کریں تاکہ قوم کی آبرو اس کی عزت اس کا وقار اس کا شیرازہ اور اس کا اتحاد واتفاق اپنی جگہ پر قائم رہے۔

ان سب صورتوں میں سے کون سی صورت عمدہ بہتر اور عقل کے موافق اور دین کے مزاج کے مطابق ہے آپ کا فیصلہ خود آپ ہی پر رکھتا ہوں؟ اور آخر میں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ میری اس تحریر کے مخاطب صرف وہ حضرات ہیں جو دین سے اور علماء دین سے تعلق رکھتے ہیں یا رکھنا چاہتے ہیں باقی جو لوگ ایسے نہیں ہیں وہ میرے مخاطب نہیں ہیں اب جب میرا خطاب ان سے نہیں ہے تو ان حضرات کو بھی چاہئے کہ میرا نام اپنے مقصد کے حصول میں استعمال نہ کریں اس لئے کہ جب ان کو دین ہی سے تعلق نہیں ہے تو مجھ سے کیا تعلق ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حال میں میرا بھی ان سے کوئی تعلق نہیں پھر میرے نام کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنا ان کے لئے کب روا ہے۔

✶

✶ ✵ ✶✶ ✵ ✶

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب نوراللہ مرقدہٗ گزشتہ سے پیوستہ

بلاغ مبین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا-قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ-بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ ھَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

طلب معافی کے لئے سحر کے وقت کا خصوصی ذکر

طلب معافی کے لئے سحر کے وقت کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ یہ وقت قبول دعا سے بہت ہی قرب رکھتا ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے باری تعالیٰ آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی (سارے جہاں کا خودمختار بادشاہ ہوں)۔کوئی ہے مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں کوئی ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں۔(بخاری ومسلم)

مسلم کی روایت میں اتنا اور ہے کہ پھر پروردگار اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے قرض دینے والا ایسے شخص کو جو مفلس نہیں ہے اور نہ حق مارنے والا۔ یہ ندا صبح کی پو پھٹے تک ہوتی ہے۔بغوی نے حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹے اس مرغ سے بھی زیادہ

عاجز نہ ہو جو سحر کے وقت چیختا ہے اور تو بستر پر پڑا سوتا ہوتا ہے۔

زید ابن اسلم نے فرمایا کہ المستغفرین بالاسحار سے وہ لوگ مراد ہیں جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ سحر کا وقت صبح کے قریب ہی ہوتا ہے اس لئے بالاسحار فرمایا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے آیت کی تشریح میں فرمایا کہ وہ سحر کے وقت تک نماز تہجد کو دراز کرتے ہیں، پھر استغفار کرتے ہیں۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رات کو (یارات بھر) عبادت کرتے آخر میں فرماتے نافع کیا سحر ہوگئی۔ میں عرض کرتا (ابھی) نہیں۔ آپ لوٹ کر پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور اگر میں کہہ دیتا جی ہاں تو بیٹھ کر استغفار کرتے اور صبح تک دعا کرتے رہتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام صفات کے درمیان واو عاطف کا لانا بتارہا ہے کہ ہر صفت بجائے خود متقیوں میں کامل ہے اور وہ ہر صفت میں کمال رکھتے ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ ہر صفت کے موصوف جدا جدا گروہ ہیں۔

صابر تو پاک دل اور پاکیزہ نفوس والا صوفیہ کا گروہ ہے۔ مجاہدین اور شہداء کا شمار بھی انہیں صابرین میں ہے۔ اور صادقین سے مراد وہ سچے علماء ہیں جو سچی روایات بیان کرتے ہیں۔ اور قانتین سے مراد، زاہدوں کا گروہ ہے جو طویل قنوت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور خوف ورجا کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں۔ اور منفقین سے مراد وہ دولت مند مومن صالح ہیں جو جائز راستوں سے کما کر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ اور مستغفرین بالاسحار وہ لوگ ہیں جو نادانی سے برے کام کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے

اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تم کو لیجائے گا (فنا کر دیگا)۔ اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر گناہ کرنے کے بعد معافی کے طلب گار ہوں گے۔ اور ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (رواہ مسلم) امام احمد اور ابو یعلی نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ آیت میں ترتیب وار ہر گروہ کا ذکر اوس کے مرتبہ کے موافق کیا ہے۔ افضل ترین۔ افضل تر۔ افضل۔ فاضل وغیرہ وغیرہ۔

شھد اللہ۔ اللہ شاہد ہے یعنی عقلی دلیل قائم کر کے۔ اور کتابیں نازل فرما کے، اس نے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ انہ لاالہٰ الاھو۔ کہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں ہے۔ بغوی نے بروایت کلبی بیان کیا ہے کہ شام کے یہودی علماء میں سے دو عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے آئے۔ مدینہ کو دیکھ کر ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر تو اس شہر سے بہت ہی مشابہ ہے جہاں نبی آخر الزماں (ﷺ) کا ظہور ہوگا۔ جب دونوں خدمت گرامی میں پہنچے تو اپنی کتاب میں بیان کردہ صفات کو حضور ﷺ کی صفات سے مطابق پا کر پہچان لیا اور عرض کیا آپ محمد (ﷺ) ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! بولے کیا آپ احمد بھی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی۔ کہنے لگے ہم آپ سے کچھ پوچھتے ہیں۔ اگر آپؐ نے بتا دیا تو ہم آپؐ کو مان لیں گے۔ اور سچا قرار دیں گے فرمایا پوچھو، کہنے لگے بتاؤ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے اس پر یہ آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ اور وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے

ارواح کو پیدا کیا۔ اور ارواح کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق کو پیدا کیا۔ اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جب کہ وہ خود ہی تھا۔ نہ آسمان تھا۔ نہ زمین نہ نیک و بد خود ہی اپنے ایک ہونے کی شہادت دی اور فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ۔ اور فرشتے اور اصحاب علم شاہد ہیں یعنی فرشتے اور ایماندار جن وانس اپنے دل سے مانتے ہیں اور زبانوں سے اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں۔ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ط قائما شهد کے فاعل یعنی اللہ سے حال ہے۔ یعنی عدل کے ساتھ تمام مخلوق کا انتظام قائم رکھنے کی حالت میں اللہ شاہد ہے عدل کے ساتھ اس کا انتظام مخلوق پر قیام توحید کی واضح دلیل ہے۔ یا ھو سے حال ہے۔ یا فعل مدح محذوف ہے اور اس کا یہ مفعول ہے۔ یا اولوا العلم کے اندر جو لفظ علم ہے قائما اس کا مفعول ہے۔ یعنی علماء اللہ کو قائم بالعدل جانتے ہیں۔ اور اس بات کو پہچانتے ہیں کہ اللہ تقسیم اور علم میں عادل ہے۔ اس کی شان میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ مالک الملک ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے نہ کسی اطاعت گذار کو، ثواب دینا اس پر لازم ہے نہ نافرمان کو عذاب دینا۔ وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اس تفسیر کے مطابق آیت میں معتزلہ کے مسلک کی کوئی دلیل نہیں (جو قائل ہیں کہ نیکوکار کا ثواب اور بدکار کا عذاب اللہ پر واجب ہے۔

لا الہ الا ھو۔ اس جملہ کا دوبارہ ذکر مزید تاکید کے لئے کیا نیز توحید کے دلائل کو جاننے اور دلائل کو دیکھ کر توحید کا اقرار کرنے کی جانب مزید توجہ دلائی۔

العزیز الحکیم۔ وہ اپنی حکومت میں غالب ہے صنعت میں حکیم ہے اور اللہ کی قدرت کا علم پہلے ہوتا ہے اور اس کی حکمت کا علم پیچھے۔ اسی لئے العزیز کو

الحکیم سے پہلے ذکر کیا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے، کسائی کی قرآت میں ان الدین آیا ہے۔اب اگر اسلام کو عین ایمان کہا جائے تو انہ لاالہ الاھو سے یہ بدل الکل ہوگا۔قتادہ نے بیان کیا کہ لاالہ الااللہ کی شہادت اور اس بات کا اقرار کہ تمام پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اللہ کی طرف سے لائے ہیں یہی وہ دین اللہ ہے جس کو اللہ نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اور اپنے اولیاء کو اس کا راستہ بتایا ہے اس کے علاوہ اور کسی دین کو وہ قبول نہیں کرے گا۔نہ ثواب دیگا۔ یا بدل کل من البعض ہوگا اگر اسلام کے اندر ایمان کو داخل قرار دیا جائے اور ایمان کو عین اسلام نہیں بلکہ جزء اسلام کہا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لاالہ الااللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا اور نماز ٹھیک ادا کرنا، اور زکوٰۃ دینا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا اور بشرط استطاعت راہ حج کرنا اسلام ہے۔

سوال جبرئیل علیہ السلام کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے جو بیان فرمایا تھا اس طویل حدیث کا یہ ایک حصہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔لیکن اگر اسلام سے مراد صرف شریعتِ محمدیہ ہو کہ تمام ادیان منسوخ ہونے کے بعد اس دورِ محمدی میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف شریعتِ محمدیہ ہے تو بدل اشتمال ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر موسیٰ اس زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔(رواہ احمد، والبیہقی من حدیث جابرؓ)

(جاری)

جنید وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ　مسلسل

المورد الفرسخی فی المولد البرزخی (۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (1) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (2) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (3)

فطرت اور توحید

اسی طرح توحید بھی امر فطری ہے اور اس کا فطری ہونا یہاں تک بدیہی ہے کہ گنوار تک بھی اس کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بہت بڑے فلسفی عالم کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں توحید پر بہت سے دلائل قائم کئے اور اس میں یہاں تک جوش بڑھا کہ جو شخص ملتا اس سے توحید کی دلیل پوچھتے۔ ایک دفعہ کسی گاؤں میں گزر ہوا۔ وہاں ایک گنوار مویشی چرا رہا تھا۔ اس سے پوچھا کہ بتلا خدا کے واحد ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے فوراً لٹھ سیدھا کیا اور کہا کھڑا تو رہ میں تجھے دلیل بتاؤں۔ یہ وہاں سے بھاگے۔ گنوار کا مطلب یہ تھا کہ توحید صانع بدیہیات سے ہے اور بدیہیات کے لئے دلیل مانگنا مکابرہ ہے جس کی سزا لٹھ ہے۔

ایک اعرابی نے وجود صانع کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

البعرۃ تدل علی البعیر والاثر یدل علی المسیر فالسماء ذات
الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا تدلان علی اللطیف الخبیر

(یعنی اونٹ کی مینگنیاں یہ بتلا دیتی ہیں کہ یہاں سے اونٹ گیا ہے اور نشانات قدم چلنے والے کا پتہ بتلاتے ہیں۔ ادنٰی ادنٰی چیز اپنے موثر کا پتہ دیتی ہے تو یہ بڑے بڑے ستاروں والا آسمان اور وسیع راستوں والی زمین کیا لطیف خبیر جل مجدہ کا پتہ نہ دے گی۔)

یہ ایک گنوار کا قول ہے۔ دیکھئے اس نے کیسی عمدگی سے اس عقیدہ کا فطری ہونا بتلایا ہے۔ ایک دلیل وجود صانع کی ہمارے چھوٹے ماموں صاحب نے ایک دہری کے سامنے بڑے مزے کی بیان کی۔ ماموں صاحب ایک سرکاری اسکول میں فارسی ریاضی کے مدرس تھے۔ ایک دفعہ انسپکٹر ممتحن آیا۔ جو دہری تھا۔ خدا تعالی کے وجود کا منکر تھا۔ اس نے طلباء سے سوال کیا کہ بتلاؤ وجود صانع کی کیا دلیل ہے۔ بچے خاموش ہو گئے۔ ماموں صاحب نے کہا صاحب! یہ مضامین ان بچوں کو بتلائے کب گئے ہیں۔ تو یہ جواب کیسے دے سکتے ہیں اور نہ یہ مضمون کورس کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے لیکن اگر آپ کو ایسا ہی شوق ہے تو مجھ سے پوچھئے میں بتاؤں گا۔

اس نے غصہ سے کہا اچھا آپ ہی بتلایئے۔ فرمایا خدا وہ ہے جس نے آپ کو معدوم سے موجود کیا۔ کہنے لگا ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے بنایا ہے۔ فرمایا اچھا خدا وہ ہے جس نے آپ کے ماں باپ کو پیدا کیا ہے کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے بنایا تھا۔ فرمایا اچھا! ان کے ماں باپ کو پیدا کیا ہے کہنے لگا کہ ان کو ان

کے ماں باپ نے بنایا تھا۔ فرمایا اچھا! ان کے ماں باپ کو جس نے بنایا وہ خدا ہے۔ کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے پیدا کیا تھا۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ سلسلہ کہیں متناہی نہیں تب تو تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے اور اگر کہیں ختم ہوتا ہے تو بس اس منتہا کو جس نے بنایا وہی خدا ہے۔ کہنے لگا کہ منطقی دلیلیں ہم نہیں جانتے۔ ہم تو سیدھی بات یہ جانتے ہیں کہ اگر خدا کوئی چیز ہے تو ہماری ایک آنکھ اندھی ہوگئی ہے اس کو درست کر دے (یہ انسپکٹر ایک چشم تھا) ماموں صاحب بڑے ظریف تھے۔ فرمایا اچھا میں خدا تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر لبوں کو حرکت دی جیسے خدا سے کچھ کہہ رہے ہوں۔ پھر آسمان کی طرف کان لگائے گویا جواب سن رہے ہیں۔ غرض اچھا خاصا ممتحن کا مذاق اڑایا۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کہہ دو کہ ہم نے تو اس کی دونوں آنکھیں بنائی تھیں مگر اس نے کفر کیا اور ہمارے وجود کا انکار کیا۔ اس لئے ہم نے غصہ میں آ کر اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی۔ میں ہرگز نہ بناؤں گا۔ اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو انہی ماں باپ سے بنوالے جنہوں نے اس سارے کو بنایا ہے۔ واقعی جواب اعلیٰ درجہ کا علمی جواب تھا۔ معقول بات تھی (کہ جب تیرے ماں باپ میں اتنی قدرت ہے کہ انہوں نے تجھے سارے کو بنا دیا تو اب وہ تیری آنکھ کو کیوں نہیں بنا دیتے اور اگر نہیں بنا سکتے تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ پیدا کرنے والے نہیں کیونکہ قادر علی الکل قادر علی البعض بھی ضرور ہونا چاہئے ۱۲)

یہ جواب سن کر وہ انسپکٹر جھلا ہی تو گیا مگر کرتا کیا بس اس کے قبضہ میں اتنی بات تھی کہ اس نے ماموں صاحب کے اسکول کا معائنہ بہت خراب لکھا جس سے

ان کے تنزل کا خطرہ ہوگیا۔ یہ خبر ماموں صاحب کے بڑے بھائی کو پہنچی وہ صاحب دل آدمی تھے ان کو سخت غصہ اور صدمہ ہوا اور انہوں نے بد دعا کی کہ الہی اس کم بخت نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ اور میرے بھائی کا دل دکھایا۔ الہی ان دونوں باتوں پر صبر نہیں ہوسکتا بہت جلد اس سے انتقام لیجئے۔ چنانچہ غالباً ایک ہفتہ نہیں گزرا کہ اس کے گردہ میں یا کہیں اور دفعتاً درد اٹھا اور فوراً مر گیا اس پر مجھے مولانا رومیؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ایں نہ آں شیرست کز وے جاں بری
باز پنجہ قہر او ایماں بری

(یہ وہ شیر نہیں جس سے تو جان بچا سکے یا اس کے پنجۂ ظلم سے ایمان بچا سکے۔)

چنانچہ اس دہری کا ایمان تو گیا ہی تھا، جان بھی گئی۔ غرض حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی استعداد قریب ہر بچہ میں فطرت سے ہوتی ہے اور یہ معنی نہیں کہ بچہ ابتداء سے مسلمان ہوتا ہے کیونکہ اسلام ایک وجودی شے ہے جس کیلئے خاص عقائد کا معتقد ہونا شرط ہے جن کا وجود بچہ میں نہیں ہوتا۔

موازنہ موت وحیات

اسی طرح اس ولادت ناسوتیہ کے وقت اور کوئی کمال بھی نہیں ہوتا تو یہ ولادت ایسی ناقص ہوئی کہ اس کے ساتھ متصلا کمالات حاصل نہیں ہوتے اور ولادت ملکوتیہ کے متصل ہی آدمی جامع کمالات ہوتا ہے غرض حیات ملکوتیہ ناسوتی سے ادوم بھی ہے اور اتم بھی اور اقویٰ بھی اور اعلیٰ بھی اور اصفیٰ بھی ہے اور ازکیٰ بھی اور امتیٰ بھی انفع بھی ہے اور ارفع بھی اور اوقع بھی احلیٰ بھی ہے اور اشہی بھی اور احظی

بھی۔ جی چاہتا ہے اور بیس تیس قافئے کہہ ڈالوں جو شاید سوچنے سے نکل بھی آئیں مگر اس وقت مجھے مولانا کا قول یاد آگیا۔

قافیہ اندیشم و دلدار من گویدم مندیش جز دیدار من

(میں شعر کا قافیہ سوچتا ہوں اور میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ میرے دیدار کے سوا کچھ نہ سوچ۔)

مولانا بعض مقامات پر ترک قافیہ کی وجہ بتلاتے ہیں کہ بعض جگہ مثنوی میں قافیہ کی رعایت اس لئے نہیں ہے کہ جب میں قافیہ سوچنے کا قصد کرتا ہوں تو محبوب فرماتے ہیں کہ ہمارے سوا کسی کو نہ سوچو۔ پس بے تکلف قافیہ آجاتا ہے تو کہہ دیتا ہوں ورنہ سوچتا نہیں ہوں۔ اس لئے میں بھی اس وقت قافیہ کو چھوڑتا ہوں اور ان کے ذکر میں لگتا ہوں کیونکہ ان کے حبیب کا ذکر انہی کا ذکر ہے۔ جب حیات ملکوتی حیات ناسوتیہ سے اعظم ہے تو ولادت ملکوتی یعنی حیات ملکوتیہ کی ابتداء کا سفر آخرت یا وفات ہے ولادت ناسوتیہ یعنی حیات ناسوتیہ کی ابتداء سے کہ ولادت متعارفہ ہے، نیز اہم واعظم ہوگی اور اس سے زیادہ قابل ذکر ہوگی۔ پھر جب حضور کی ولادت ناسوتیہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کی ولادت ملکوتی کا (گو اس کا نام لغوی وفات ہی ہے) کیوں نہ ذکر کیا جاوے۔

بہرحال میں نے حضور کے سفر آخرت کا ذکر اس حیثیت سے اختیار نہیں کیا کہ وہ سفر آخرت ہے بلکہ اس حیثیت سے اختیار کیا ہے کہ وہ بھی حضور کی ایک حیات کی ابتداء کا ذکر ہے۔ پس جیسا ولادت ناسوتی کا ذکر مولد ہے اسی طرح ولادت ملکوتی کا ذکر بھی مولد ہی ہے بلکہ اس ولادت ملکوتی کے اقویٰ و افضل ہونے کے سبب یہ مولد کی اعلیٰ قسم ہے

دونوں حیات کے تفاوت کے مضمون پر مجھ کو ایک مستقل مسئلہ یاد آگیا۔اس مسئلہ پر بھی متنبہ کرتا ہوں کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ موت وحیات میں افضل کون ہے۔حیات افضل ہے یا موت۔اس میں دو قول ہیں۔بعض نے حیات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے موت کو۔ دلائل حیات میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ طول حیات میں تکثیر اعمال ہے جس سے ثواب بڑھتا ہے اور موت سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اس سے حیات من حیث ھی حیات کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایک عارض کی وجہ سے فضیلت ثابت ہوئی اور وہ عارض بھی عند التامل راجع ہے فضیلت موت ہی کی طرف۔کیونکہ اعمال کا ثمرہ موت ہی کے بعد ملے گا۔تو اس میں خود اقرار ہے فضیلت موت کا اور موت کی فضیلت ذاتی ہے جس کی صریح دلیل نص ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔تحفۃ المؤمن الموت (اخرجہ ابن المبارک و ابن ابی الدرداءو الطبرانی والحاکم) کہ موت مومن کے لئے تحفہ ہے۔پس مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چیز بطور تحفہ کے ملتی ہے وہ موت ہی ہے۔ حیات کو کہیں تحفہ نہیں کہا گیا اور ذاتی فضیلت کے علاوہ موت کے لئے عارضی ترجیح بھی ثابت ہے۔چنانچہ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ موت کے بعد جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ اس حیات سے افضل واکمل وابقیٰ وادوم ہے جب ہر طرح حیات ملکوتیہ کا حیات ناسوتیہ سے اکمل ہونا ثابت ہوگیا تو میرا دعویٰ اس سے لزوما ثابت ہوگیا کہ ولادت ملکوتیہ ولادت ناسوتیہ سے اہم واعظم ہے اور اس اہمیت کی نسبت میں نے کہا تھا کہ یہ اہمیت باعتبار حقیقت کے بھی ہے اور باعتبار آثار کے بھی۔یہاں تک تو حقیقت کی حیثیت کا بیان مقصود تھا۔ (جاری)

حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

تزکیہ کیا چیز ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○

(سورہ المومنون ۱:۴)

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر اور تشریح کافی عرصہ سے چل رہی ہے، ان آیتوں کا اس لئے انتخاب کیا گیا ہے کہ ان آیتوں میں اللہ جل شانہ نے وہ بنیادی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ایک مسلمان سے مطلوب ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے مومن بندے ان صفات کے حامل ہوں اور یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ان صفات کے حامل ہوں گے اور جو یہ کام کریں گے ان کو فلاح حاصل ہوگی اور کامیابی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات کا حامل بنائے اور یہ کام

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

تین صفات کا بیان

ان صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، اس کی تفصیل بقدر ضرورت الحمدللہ بیان ہو چکی، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ لغو اور بے ہودہ اور فضول کاموں میں نہیں پڑتے، یعنی اپنا وقت بے فائدہ کاموں میں صرف کرنے کو پسند نہیں کرتے، فضول کاموں سے اعراض کرتے ہیں، اس کا بیان بھی الحمدللہ تفصیل سے ہو چکا ہے، تیسری صفت اس آیت میں بیان فرمائی: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں، اس لئے کہ زکوۃ بھی بڑا اہم فریضہ ہے اور دین کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے، اس کے بارے میں پچھلے دو تین جمعوں میں تفصیل سے عرض کر دیا ہے اور اس کے بعد جو ضروری مسائل تھے وہ بھی بیان کر دیے، آج اس آیت کا دوسرا مطلب عرض کرنا ہے۔

آیت کا دوسرا مطلب

عربی زبان کے اعتبار سے اس کا ایک دوسرا مطلب بھی ہوسکتا ہے، وہ مطلب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں اور پاکی اختیار کرتے ہیں'' یہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ جب ہم عربی سے اردو ترجمہ کرتے ہیں تو عربی لفظ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اردو میں صحیح لفظ نہیں ملتا، ہمارے پاس چوں کہ لفظ

''زکوۃ'' کے لئے کوئی اور لفظ نہیں ہے، اس لئے ہم اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاکی اختیار کرتے ہیں لیکن یہاں پر پاکی سے جسم کی پاکی مراد نہیں، کیوں کہ جسم کی پاکی کے لئے عربی زبان میں ''طہارت'' کا لفظ بولا جاتا ہے، بلکہ اس سے ''اخلاق'' کی پاکیزگی مراد ہوتی ہے اس کو عربی زبان میں ''زکوۃ'' اور ''تزکیہ'' کہا جاتا ہے، اس معنی کے لحاظ سے آیت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اخلاق کو پاک صاف رکھتے ہیں اور ان کو پاکیزہ بناتے ہیں اور اخلاق کے اندر جو گندگیاں اور نجاستیں شامل ہو جاتی ہیں ان سے وہ اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم بڑا وسیع ہے اور اس کا پس منظر ہمہ گیر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد

لیکن اس آیت کو سمجھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ قرآن کریم نے کم از کم چار جگہوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں، اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے اس دنیا میں کیوں بھیجا؟ کیا کام آپ کے سپرد کئے گئے؟ کیا کام آپ کو انجام دینے تھے؟ قرآن کریم نے چار مقامات پر ان کاموں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالی نے فرمایا:

يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۹) اس آیت میں سب سے پہلا کام یہ بیان فرمایا: يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اللہ تعالی کی آیات تلاوت کریں، دوسرا کام یہ بیان

فرمایا: "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کی آیات کی لوگوں کو تعلیم دیں، کیوں کہ ہماری کتاب کو لوگ براہ راست سمجھ نہیں سکیں گے، تیسرا کام بیان فرمایا وَالْحِكْمَةَ اور تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں، دانائی اور عقلمندی کی باتوں کی تعلیم دیں، چوتھا کام یہ بیان فرمایا: وَيُزَكِّيهِمْ اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کو پاک صاف اور پاکیزہ بنائیں۔

تزکیہ کی ضرورت کیوں؟

اب غور کریں کہ اس آیت میں تزکیہ کے بیان سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے کا ذکر آ گیا، اس کے بعد قرآن کریم کی تعلیم دینے اور سکھانے کا ذکر آ گیا، اس کے بعد حکمت کی باتیں سکھانے کا ذکر آ گیا، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ تنہا یہ تین کام کافی نہیں ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا کام یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال واخلاق کو پاکیزہ بنائیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے قرآن کریم سکھا دیا اور اس کا مطلب سمجھا دیا اور حکمت کی باتیں بتا دیں پھر یہ اضافی کام کیوں بتایا کہ آپ لوگوں کو پاک صاف کریں۔

تھیوریکل (لکھائی پڑھائی کی) تعلیم کے بعد ٹریننگ ضروری ہے

اس کا جواب سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات جان لیں کہ دنیا میں جتنے علوم وفنون اور ہنر ہیں، ان کی ایک نظریاتی اور تھیوریکل تعلیم ہوتی ہے کہ اس میں اس علم کی تھیوری اور نظریہ بتا دیا، اس کو "تعلیم" کہا جاتا ہے، لیکن دنیا کے کسی فن کو سمجھنے کے

لئے محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی، جب تک اس کی عملی تربیت اور ٹریننگ نہ دی جائے آپ اگر ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں تو کیا میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ لینے سے آپ ڈاکٹر بن جائیں گے؟ نہیں بلکہ اگر آپ نے میڈیکل سائنس کا پورا کورس پڑھ لیا اور نظریاتی طور پر سمجھ بھی لیا کہ کیا کیا بیماریاں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ان کا علاج کیا ہوتا ہے؟ اگر یہ سب تفصیلات آپ نے معلوم کرلیں تب بھی آپ ڈاکٹر نہیں بنیں گے، آپ ڈاکٹر اس وقت بنیں گے جب آپ کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر تربیت لے لیں کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے اور کس طرح مرض کی تشخیص کی جاتی ہے اور کس طرح دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور کس طرح مریض کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے، جب تک آپ یہ تربیت حاصل نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ علاج کرنے کے قابل نہیں بنیں گے، یہی وجہ ہے کہ وہ یونیورسٹیاں جو میڈیکل سائنس کی تعلیم دیتی ہیں وہ تعلیم مکمل کرانے کے بعد ہاؤس جاب کو لازمی قرار دیتی ہیں کہ کسی اسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر یہ سیکھنا پڑے گا کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یونیورسٹی میں جو پڑھا تھا وہ نظریاتی تعلیم تھی اور اسپتالوں میں جا کر جو ہاؤس جاب کیا جارہا ہے، یہ تربیت اور ٹریننگ ہے۔

آپ کو تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے بھیجا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے دونوں کاموں کے لیے دنیا میں بھیجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی نظریاتی تعلیم بھی دیں اور یہ بھی بتائیں کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ اور ساتھ میں آپ لوگوں کو تربیت بھی دیں اور ان کا تزکیہ بھی کریں اور ان کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال واخلاق کو گندگیوں سے

پاک کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں، یہ چیزیں صرف کتابیں پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتیں، نظریہ سمجھا دینے سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ یہ چیزیں صحبت سے حاصل ہوتی ہیں، جب انسان کسی کی صحبت میں ایک مدت تک رہتا ہے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا ہے تو اس کے طرز عمل کی خوشبو رفتہ رفتہ اس انسان کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہے، اسی کا نام تزکیہ ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ دوسری تفسیر کے لحاظ سے اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ فلاح ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟ اگر جسم کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا اگر کپڑے کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا لیکن اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے اور ان کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا ان کو پانی سے دھو دیا جائے؟ یا ان اعمال کو غسل دے دیا جائے؟

''دل'' انسان کے اعمال کا سرچشمہ ہے

خوب سمجھ لیں کہ اعمال اور اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کے اندر جو بھی کام کرتا ہے، درحقیقت اس عمل کا سرچشمہ اور اس کا منبع اسکی اصل انسان کے دل میں ہوتی ہے، پہلے انسان کے دل میں اس عمل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس سے وہ عمل سرزد ہوتا ہے مثلاً آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے

لئے مسجد میں تشریف لائے تو پہلے آپ کے دل میں یہ ارادہ پیدا ہوا کہ آج جمعہ کا دن ہے اور مجھے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا چاہئے اور جا کر نماز ادا کرنی چاہئے، لہٰذا پہلے ارادہ پیدا ہوا اور پھر اس ارادے میں پختگی آئی اور طبیعت میں جو سستی پیدا ہو رہی تھی اس سستی کا مقابلہ کر کے اس ارادے کو پختہ کیا اور پختہ ارادے کے نتیجے میں آپ کے پاؤں مسجد کی طرف چلنے لگے، اگر آپ پختہ ارادہ نہ کرتے تو آپ کے پاؤں مسجد کی طرف نہ چلتے، ہاں اگر کوئی آدمی پاگل ہو جائے تو اس کے ہاتھ پاؤں بے ارادہ حرکت کر سکتے ہیں، لیکن جب تک انسان کے اندر عقل اور شعور موجود ہے، اس کے دل میں جب تک کسی کام کا ارادہ پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی عمل نہیں کر سکتا، چاہے وہ اچھا کام ہو یا برا کام ہو، اس سے پتہ چلا کہ انسان کے اعمال کا سرچشمہ انسان کا ''دل'' ہے۔

دل میں لطیف قوتیں رکھی گئی ہیں

یہ ''دل'' اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب چیز بنائی ہے، بظاہر دیکھنے میں تو یہ خون کا لوتھڑا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لوتھڑے کے ساتھ کچھ لطیف قوتیں وابستہ کر دی ہیں وہ قوتیں نہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی کسی لیبارٹری میں ان قوتوں کو ٹیسٹ کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ قوتیں اس دل کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہیں، چنانچہ اس دل میں خواہشیں پیدا ہوتی ہیں کہ یہ کام کرلوں اور فلاں کام کرلوں، یہ ''خواہشیں'' دل میں پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''ارادے'' پیدا ہوتے ہیں، اسی دل میں ''جذبات'' جنم لیتے ہیں، اسی دل میں ''غصہ'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں ''شہوت'' پیدا ہوتی ہے اسی دل میں دنیا بھر کی ''امنگیں'' پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''صدمہ'' آتا ہے، اسی دل

میں ''غم'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں ''خوشی'' آتی ہے، یہ سب چیزیں دل کے اردگرد گھومتی ہیں۔

''دل'' میں اچھی خواہشیں پیدا ہونی چاہئیں

اب اگر اچھی خواہشیں دل میں پیدا ہورہی ہیں تو انسان سے اچھے اعمال سرزد ہوں گے اور اگر دل میں غلط خواہشیں پیدا ہورہی ہیں تو انسان کے ارادے بھی خراب ہوں گے اور اعمال بھی خراب ہوں گے، اس لئے انسان کی ساری بھلائی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کے دل میں ایسی خواہشیں پیدا ہوں جو نیک ارادوں کو جنم دیں، جس کے نتیجے میں اچھے اعمال وجود میں آئیں، اور ایسی خواہشات دل میں پیدا نہ ہوں جس سے انسان غلط راستے پر پڑ جائے یا اگر ایسی خواہشات دل میں پیدا ہوں تو وہ مغلوب ہوں جس سے انسان غلط راستے پر نہ پڑ جائے، انسان کے تمام اعمال اسی اصول کے تحت گھومتے ہیں۔

''دل'' کی اہمیت

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

الاإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله الاوهي القلب

خوب سن لو! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جائے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے، خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا ''دل'' ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج / ۳ ص / ۱۵۳)

یہ دل بڑی عجیب چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے کہ انسان کی ظاہری زندگی بھی

موقوف ہے اور باطن کی اچھائی اور برائی بھی اس پر موقوف ہے، جسمانی صحت کا ''دل'' پر موقوف ہونا تو ہر انسان جانتا ہے کہ جب تک یہ ''دل'' ٹھیک کام کر رہا ہے اس وقت تک انسان زندہ ہے یہ ''دل'' انسان کی پیدائش سے بھی پہلے اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور مرتے دم تک اس کا کام جاری رہتا ہے اس کی کبھی چھٹی نہیں ہوتی، کبھی اس کے کام میں کوئی وقفہ نہیں آتا، اس کو کبھی آرام نہیں ملتا، اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایک منٹ میں بہتر مرتبہ پورے جسم میں خون پھینکتا ہے اور پھر واپس لیتا ہے، اس کو اس کام سے کبھی آرام نہیں ملتا جب کہ دوسرے اعضاء کے کاموں میں وقفہ بھی آجاتا ہے اور دوسرے اعضاء کو آرام بھی مل جاتا ہے مثلاً اگر آدمی سو رہا ہے تو سوتے وقت آنکھوں کو آرام مل گیا، کانوں کو آرام مل گیا۔ جسم کے دوسرے اعضاء کو آرام مل گیا، لیکن سونے کی حالت میں بھی دل اپنا کام کر رہا ہے، یہاں تک کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی دل کا کام جاری رہتا ہے، اس لئے کہ جس دن اس دل نے آرام کرلیا، اس دن اس انسان کی موت ہے اور انسان کی زندگی ختم ہے۔

جسم کی صحت دل کی صحت پر موقوف ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دل صحیح ہے اور تندرست و توانا ہے تو سارا جسم توانا ہے اور جس دن یہ بیمار ہو جائے، اس دن انسان کے جسم کے لئے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، اس لئے کسی نے کہا ہے کہ ؂

نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

یعنی کوئی بیماری دل کی بیماری کے برابر نہیں، یہ تو دل کی ظاہری حالت تھی۔

''دل'' کا ارادہ پاک ہونا چاہئے

دل کی باطنی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس دل کے اندر جو لطیف طاقتیں پیدا فرمائی ہیں، جن کے نتیجے میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور جذبات جنم لیتے ہیں جن کے ذریعے ارادے پیدا ہوتے ہیں، وہ لطیف طاقتیں اگر پاک صاف ہیں تو پھر انسان کے اعمال بھی پاک صاف ہوں گے، اور اگر وہ لطیف طاقتیں پاک نہیں بلکہ خراب اور گندی ہیں تو اعمال بھی خراب ہوں گے، اگر ایک عمل بظاہر دیکھنے میں اچھا نظر آرہا ہے، نیک عمل نظر آرہا ہے، لیکن دل کا وہ ارادہ اور وہ خواہش جس نے اس عمل کو جنم دیا، اگر وہ پاک نہیں تو وہ عمل بھی پاک نہیں ہے۔

نیک ارادے کی مثال

مثلاً اس وقت ہم سب یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جمع ہیں، نماز پڑھنا بظاہر نیک اور اچھا عمل ہے، اگر آپ کے دل نے آپ سے یہ نیک عمل اس لئے کروایا کہ نماز پڑھنا اللہ تعالی کا حکم ہے اور اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کرنے میں اللہ تعالی راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ثواب دیں گے، اگر اس ارادے سے عمل کیا تو وہ عمل اچھا ہے اور نیک ہے، لیکن اگر دل نے یہ ارادہ کیا کہ میں نماز جمعہ اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ لوگوں میں شہرت حاصل کروں کہ یہ آدمی بڑا نیک نمازی ہے، بڑا عابد وزاہد ہے، بڑا متقی پرہیز گار ہے، مسجد میں صف اول میں جا کر نماز پڑھتا ہے، تو اس صورت میں عمل تو اچھا ہے لیکن ارادہ غلط ہے، خواہش غلط، دل نے غلط راستہ سمجھایا، اس لئے یہ عمل بھی اکارت اور بے کار ہوگیا، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر یہ قلب ٹھیک ہے اور صحیح قسم کے جذبات

پیدا کر رہا ہے اور صحیح ارادے پیدا کر رہا ہے تو بیشک تمہارے سارے اعمال درست ہیں، لیکن اگر یہ قلب ٹھیک نہیں ہے اور یہ غلط راستے بتا رہا ہے تو تمہارے اعمال بھی غلط ہیں، چاہے وہ اعمال دیکھنے میں کتنے ہی اچھے ہوں۔

دل کے اعمال میں حلال بھی ہے اور حرام بھی

بہر حال! اس دل میں اچھی خواہشات پیدا ہوں، اچھے جذبات پیدا ہوں، صحیح ارادے پیدا ہوں اس کا نام ''تزکیہ'' ہے کیوں کہ تزکیہ کے معنی ہیں اپنے قلب کو غلط خواہشات اور غلط جذبات اور غلط ارادوں سے پاک کرنا جس طرح وہ اعمال جو ہم ظاہر میں ادا کرتے ہیں جیسے نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے۔ یہ سب ظاہری اعمال ہیں اور ہمارے ذمے فرض ہیں، اور جس طرح کچھ اعمال ظاہری حرام ہیں، جیسے شراب پینا حرام ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے، رشوت دینا حرام ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قلب کے اعمال میں بھی کچھ اعمال فرض و واجب قرار دیئے ہیں اور کچھ اعمال حرام اور ناجائز قرار دیئے ہیں۔

''اخلاص'' دل کا حلال عمل ہے

مثلاً ''اخلاص'' دل کا عمل ہے، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، زبان کا کام نہیں ہے اس لئے کہ اخلاص دل میں جنم لیتا ہے اور باطنی عمل ہے اور یہ اخلاص حاصل کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، جیسے رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ فرض ہے، کیوں کہ اگر اخلاص دل میں نہیں تو پھر ظاہری اعمال بھی بے کار ہیں، مثلاً نماز اگر اخلاص کے بغیر پڑھیں گے تو یہ عمل بھی بے کار ہوگا۔

’’شکر‘‘ اور ’’صبر‘‘ دل کے اعمال ہیں

اسی طرح نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، یہ دل کا عمل ہے، آدمی دل سے یہ تصور کرے کہ میں اس نعمت کے لائق نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اس نعمت سے نوازا ہے، اس کو شکر کہتے ہیں، یہ دل کا عمل ہے اور فرض ہے، اسی طرح ’’صبر‘‘ ہے، صبر کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے یا تکلیف پہنچ جائے تو اس تکلیف پر انسان دل میں یہ سوچے کہ اگر چہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے، اس کا نام ’’صبر‘‘ ہے اور یہ دل کا کام ہے، اس کو حاصل کرنا فرض ہے، اس طرح کے بہت سے اعمال ہیں جو انسان کے دل سے متعلق ہیں ان کو ’’اخلاق‘‘ کہا جاتا ہے، اور یہ ’’اخلاق‘‘ حاصل کرنا فرض ہے۔

’’تکبر‘‘ دل کا حرام فعل ہے

کچھ اعمال دل سے متعلق ایسے ہیں جو حرام ہیں، مثلاً تکبر کرنا یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ ’’ہم چوں ما دیگرے نیست‘‘ یعنی مجھ جیسا کوئی نہیں، اور سب لوگ میرے آگے حقیر اور ذلیل ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، میں ہی سب سے بڑا ہوں، یہ ’’تکبر‘‘ ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے، بسا اوقات یہ تکبر زبان سے ظاہر نہیں ہوتا لیکن اس کے دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

یہ تکبر دل کی باطنی بیماری ہے اور حرام ہے اور یہ تکبر اتنا شدید حرام ہے کہ خنزیر کھانے سے بھی زیادہ حرام ہے، شراب پینے سے بھی زیادہ حرام ہے، اس لئے کہ

تکبر کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنے والا ہے، کیوں کہ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہا ہے، بہر حال تکبر بہت بڑی بلا اور حرام ہے۔

''تزکیہ'' اسی کا نام ہے

اسی طرح ''حسد'' دل کی بیماری ہے، یعنی کسی دوسرے انسان کو کوئی نعمت مل گئی، اب اس نعمت کو دیکھ کر دل میں جلن پیدا ہو رہی ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں مل گئی، یہ نعمت اس سے چھن جائے، یہ خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے، اور یہ حرام ہے۔

بہر حال جس طرح ظاہری اعمال میں سے کچھ اعمال فرض ہیں، کچھ واجب ہیں، کچھ حرام ہیں، اسی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے جو جذبات اور خواہشات وارادے ہیں، ان میں سے کچھ فرض و واجب ہیں اور کچھ حرام ہیں، ان میں سے جو فرض وواجب ہیں، انسان ان کو برقرار رکھے اور جو گناہ اور حرام ہیں ان سے اپنے دل کو بچالے، اس کا نام تزکیہ ہے اور اسی کا نام ''قلب کو پاک کرنا'' ہے، لہذا اس آیت میں فرمایا کہ: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔ وہ لوگ جو تزکیہ کرنے والے ہیں۔ یعنی قلب کو ناپاک اخلاق سے، ناپاک جذبات سے، ناپاک ارادوں سے پاک کرتے ہیں، وہ لوگ ''فلاح یافتہ'' ہیں۔

تصوف کی اصل حقیقت

آپ حضرات نے ''تصوف'' کا لفظ بار بار سنا ہوگا، آج لوگوں نے تصوف کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اس کو ایک ملغوبہ بنا دیا ہے، حالانکہ تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمہارے جذبات صحیح ہونے چاہئیں، تمہاری خواہشات صحیح ہونی چاہئیں

اور ان کو کس طرح صحیح کیا جائے؟ یہ اعمال ''تصوف'' کے اندر بتائے جاتے ہیں، تصوف کی حقیقت بس اتنی ہے اس سے آگے لوگوں نے جو باتیں تصوف کے اندر داخل کردی ہیں اس کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔

جس طرح فقہاء ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، بیع وشراء، نکاح وطلاق کے احکام بیان کرتے ہیں، اسی طرح صوفیائے کرام دل میں پیدا ہونے والے جذبات کے احکام بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال! قرآن کریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد بیان فرمائے ان میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کے اخلاق کا تزکیہ کرنا تھا، اسی کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔

اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب حضرات کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

*

* * * * * *

عالمی خبریں

بین الاقوامی حج وعمرہ کانفرنس 2024 کا جدہ میں آغاز

سعودی وزارت حج کے زیر انتظام بین الاقوامی حج وعمرہ کانفرنس، نمائش پیر 8 جنوری سے جدہ کے سپر ڈوم میں شروع ہوگئی جو 11 جنوری تک جاری رہے گی۔ مکہ مکرمہ کے نائب گورنر شہزادہ سعود بن مشعل بین الاقوامی حج وعمرہ کانفرنس کا افتتاح کیا۔ حج وعمرہ شعبے سے سعودی عرب اور بیرونی دنیا میں تعلق رکھنے والے 80 سے زیادہ ممالک کی شخصیات کانفرنس اور نمائش میں شریک ہیں۔

انہیں منفرد منصوبوں، خدمات، اقدامات اور پیکیجز سے واقفیت کا موقع ملے گا۔ نئی ٹیکنالوجی اور اس پر مبنی حل میں سرمایہ کاری سے متعلق معلومات حاصل ہوں گی۔

سعودی وزیر حج نے کہا کہ ’سعودی عرب زائرین کو مختلف سہولتوں فراہم کے ذریعے حج وعمرہ کے سفر کو یادگار بنانا چاہتی ہے‘۔ ’یہ ہدف دنیا بھر سے آنے والے زائرین کو مختلف خدمات کی فراہمی سے حاصل ہوگا‘۔ مباحثے میں وزیر حج وعمرہ، محکمہ شہری ہوابازی کے سربراہ، مکہ مکرمہ کے میئر اور سعودی نائب وزیر خارجہ شریک ہوں گے۔ واضح رہے کانفرنس کا مقصد عازمین کو بہتر سہولتوں کی فراہمی کو یقینی بنانا اور سابقہ تجربات کی روشنی میں بہتر لائحہ عمل اور خدمات کو متعارف کرانا ہے۔

کانفرنس میں شرکا کی جانب سے عازمین حج کی مملکت آمد سے فریضہ حج کی ادائیگی اور واپسی تک کے تمام مراحل زیر بحث لائے جائیں گے۔ عازمین کی مملکت آمد، ٹرانسپوٹیشن، رہائش، خوراک اور دیگر امور کا جائزہ لیا جائے گا۔